جلد01شمارہ 2024،17

Article

Maulana Azad as a Poetical and linguistic critic

مولانا آزاد بطورِ شعری اور لسانی نقاد

Muhammad Aslam,*[1] Dr. Abdul Sattar Malik[2]

[1] M.Phil Scholar, Dept. of Urdu, [2] Lecturer, Deptt. Of Urdu, AIOU, Islamabad

*Correspondence: abdul.sattar@aiou.edu.pk

محمد اسلم،[1] ڈاکٹر عبدالستار ملک[2]

[1] ایم فل سکالر، شعبہ اردو، [2] استاد شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

Abstract: Sir Syed Ahmad Khan, along with the Urdu elements Pentarchy, including Maulana Muhammad Hussain Azad, Deputy Nazir Ahmad, Allama Shibli Nomani, and Maulana Altaf Hussain Hali, collaborated to strive for the goals of the Ali Garh Movement. Among the Urdu Pentarchy, Maulana Muhammad Hussain Azad stands out individually. He experimented with various aspects of literature in a unique style, initiating prose criticism and prose poetry. He laid the foundation of modern poetry in the mushairas of Anjuman Punjab, and also excelled in tazkira writing as well. His renowned work on tazkira writing and criticism includes the book "Ab-e Hayat." Additionally, he contributed to linguistics with "Sakhaan Daan-e-Faars," which deals with linguistics. In his essays and letters, he demonstrated his critical and linguistic insight. This article discusses Ab-e Hayat, Sukhaan Daan-e-Faars and the essays and letters of Maulana Azad.

Keywords: Maulana Muhammad Hussain Azad, Ab-e Hayat, Sukhaan Daan-e-Faars, Anjuman Punjab

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813
Received:14-04-2024
Accepted:17-06-2024
Online:27-06-2024

Copyright: © 2023 by the authors. This is an access-open article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

سرسید احمد خان نے اردو کے عناصر خمسہ یعنی مولانا محمد حسین آزاد ، ڈپٹی نذیر احمد ، علامہ شبلی نعمانی اور مولانا الطاف حسین حالی کے ساتھ مل کر تحریک علی گڑھ کے مقاصد پروان چڑھانے کے لیے جدوجہد کی۔ اردو کے عناصر خمسہ میں شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد کو انفرادیت حاصل ہے۔انھوں نے ادب کی کئی جہتوں پر منفرد انداز میں طبع آزمائی کر کے مقفیٰ و مسجع نثر کا آغاز کیا۔انھوں نے انجمن پنجاب کے مشاعروں میں جدید نظم کی بنیادرکھی، اسی طرح تذکرہ نویسی میں بھی کمال کیا ان کی تذکرہ نویسی اور تنقید پر معروف کتاب " آب حیات " شامل ہے۔اسی طرح انھوں نے لسانیات کے حوالے سے بھی کام کیا۔"سخن دان فارس " لسانیات سے تعلق رکھتی ہے۔اس کے ساتھ اپنے مضامین و مکاتیب میں بھی اپنی تنقیدی اور لسانی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔اس مضمون میں سخن دان فارس،آب حیات اور مولانا آزاد کے مضامین و مکاتیب پر بحث کی گئی ہے۔سخن دان فارس " میں مولانا محمد حسین آزاد نے اردو زبان میں سب سے پہلے لسانی مساعی سے بحث کا آغاز کیا ہے۔ان کے ہاں یہ مباحث اس وقت ملتے ہیں ،جب یورپ میں بھی اس فن کو کچھ زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا۔کبیر نے ویدک او رسنسکرت زبان کی بحث۱۸۵۰ ء کے قریب اور میکسم نے بھی اسی زمانے کے قریب اس کا بیڑا اٹھایا۔مولانا محمد حسین آزاد کا کمال ہے کہ انھوں نے اردو زبان کو قدیم روش سے اٹھا کر نئے خیالات ادا کرنے پر مامور کیا۔وہ اچھے ادیب، انشاپرداز اور شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ زبان کے بھی نبض شناس تھے۔مولانا آزاد نے نہ صرف اشخاص کی تاریخ ہی لکھی ہے بلکہ زبانوں کی بھی تاریخ لکھ کر اردو ادب پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔نہ صرف تاریخ بلکہ یوں کہیے کہ فلسفہ زبان کو سمجھنے او رسمجھانے کی کوشش کی ہے اور اس راستہ سے دنیائے ادب کو روشناس کیا ہے۔یعنی زبان کی اصل ، ایک زبان کا دوسری زبانوں سے تعلق ، الفاظ کی اصل او رمعنی کے تغیرات کے اسباب سے بھی عالمانہ بحث کی ہے۔اس کے باوجود اس کتاب کو وہ شہرت ِ دوام حاصل نہیں ہو سکی جو ان کی کتاب "آب حیات " کو حاصل ہے۔بقول ڈاکٹر محمد صادق:

> " اگرچہ ہمارے ہاں " سخن دانِ فارس" کو وہ قبول عام حاصل نہیں جو "آب حیات " کو ہے لیکن اس کا سبب نہ تو دلچسپی کا فقدان ہے اور نہ ہی ضعفِ بیان ، درحقیقت اس لحاظ سے یہ تصنیف کسی طرح بھی " آبِ حیات " سے کم تر تو نہیں۔اس عدم اعتنا کا اصلی سبب یہ ہے کہ کتاب کا موضوع ایرانی ادب و تہذیب ہے۔"[1]

الفاظ کو مختلف گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے گروہ میں پہچانے جائیں۔لسانیات کے ماہرین نے دنیا بھر میں بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں کو بھی مختلف حلقوں میں منقسم کر دیا ہے۔ہر حلقے کی پھر مزید شاخیں موجود ہیں۔ماہرین لسانیات کے مطابق دنیا کی تمام زبانوں کو مختلف تین بڑے حلقوں میں منقسم کیا گیا ہے۔

(۱) پہلا حلقہ آرین کہلاتا ہے جس میں ہندوستانی ، ایرانی ، یونانی ، لاطینی ، فرنچ اور روسی وغیرہ اس کی شاخیں ہیں۔

(۲) شیمٹک : دوسرے حلقہ میں او راس کی شاخیں عربی ، عبرانی او رکلدانی وغیرہ ہیں۔

(۳) تیسر ا حلقہ تیورنین ہے یہ متفرق زبانوں کا حلقہ ہے، جس کی شاخیں تاتار ، سیام ، برما ، کمبجا او رپیگو وغیرہ کی بے علم اور بے قاعدہ زبانیں شامل ہیں۔

یہی وہ تین حلقے ہیں جس میں موجود زبانیں اور اس کی شاخوں سے دنیا بھر کی زبانیں وجود میں آئی ہیں۔ماہر لسانیات ان تینوں حلقوں کو سمجھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتے۔مولانا محمد حسین آزاد نے بھی ان کا ذکر کیا ہے او رپہلے حلقے کی دو شاخوں کو موضوع بحث بنایا ہے۔نعیم احسن رقم طرازہیں :شمس العلماء مولانا محمد حسین آزاد نے " سخن دان فارس " نامی اس کتاب میں پہلے حلقہ کی دو شاخوں ہندوستانی اور ایرانی کو موضوع تحریر بناتے ہوئے سنسکرت اور فارسی کے لسانی روابط نمایاں کرنے کی شاندار اور کامیاب کوشش کی ہے۔"[۲]

مولانا محمد حسین آزاد نے سب سے پہلے فارسی زبان کی تاریخ و تحقیق کی طرف بھرپور توجہ دی۔ان کی لفظیات کو نہایت عرق ریزی سے سمجھا اور ان پر غور و فکر کیا۔اس کام کے لیے انھوں نے ایران اور بخارا وغیرہ کے کٹھن اور دشوار گزار اسفار بھی کیے۔مولانا محمد حسین آزاد نے فارسی تاریخ و تحقیق کے لیے قسم کے مسائل و آلام کی پرواہ کیے بغیر اپنا سفر جاری و ساری رکھا۔مولانا محمد حسین آزاد کی اس محنت شاقہ کے بارے میں جہاں بانوبیگم (نقوی) لکھتی ہیں :

> " اس طرح آزاد نے ایران وغیرہ کے قدیم رسم و رواج کا مقابلہ ہندوستان کے رسوم کے ساتھ کیا ہے اور اپنی سیاحت ایران کے دلچسپ حالات موقع موقع پر درج کیے ہیں نہ صر ف سیاحت و مسافت بل کہ وہاں کے میلے ٹھیلے دیکھے ، شادی و غمی کی محفلوں میں حصہ لیا اور یہ مواد تیار کیا۔غرض ان کی

> اس علمی و لسانی تحقیق و تدقیق کا اصلی مظہر " سخندان فارس" ہے جو بذات خود فارسی زبان کی ایک مکمل تاریخ ہے۔"(۳)

مولانا محمد حسین آزاد نے ایران کا سفر کیا۔سفر کے دوران بڑی عمیق نظری سے وہاں کے ماحول ، سیاست ، ادب ، مذہب ، معاشرت اور لسانیات کا مشاہدہ کیا اور اس مشاہدے کا موازنہ ہندوستان کے رسم و رواج کے ساتھ کیا ہے۔"سخن دان فارس" ان کا ایک ایسا شاہکار ہے جس میں نہ صرف لسانی تجربات و مشاہدات کا احوال ملتا ہے بلکہ اس میں اس دور کی معاشرت کو بھی بخوبی دیکھا جا سکتا ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نے ایران اور بخارا کا یہ سفر ایک مسافر کی طرح نہیں بلکہ ایک سیاح کے طور پر کیا ہے۔انھوں نے وہاں کی جزئیات کو بڑی گہرائی کے ساتھ نہ صرف دیکھا بلکہ اسے اپنے اندر جذب بھی کیا ہے۔"سخن دان فارس" ایک ایسی ادبی و عملی تاریخ ہے جس نے فارسی علم و ادب کے کئی باب کھول دیے ہیں۔مولانا محمد حسین آزادکی یہ کتاب تقریباً پندرہ برس کی انتھک محنت اور لگن کا ثمر ہے یہ ایک نہایت قابل قدر اور مفید کتاب ہے جو ہمیں فارسی ادب کے کئی مخفی گوشوں کی نقاب کشائی کرتی دکھائی دیتی ہے۔مولانا محمد حسین آزادبہترین انشا پرداز اور شاعر کے حوالے سے پہلے ہی معروف تھے۔"سخن دان فارس " کے منظرِ عام پر آنے کے بعد وہ ایک ماہر لسانیات کے طور پر معروف ہوئے۔"سخن دان فارس " مستقل کتاب کے بجائے اس موضوع پر متفرق مقالات کا مجموعہ ہے ۔

نند کشور وکرم " سخندان فارس " کے بارے میں لکھتے ہیں :

> "مولانا کی تصانیف میں " سخن دان فارس" کو بھی بڑی شہرت حاصل ہے۔ ادبِ فارسی سے متعلق یہ کتاب بڑے دل چسپ اور دل کش انداز میں تحریر کی گئی ہے اور اس میں ان کے سفرِ ایران کے حالات و تجربات بھی درج ہیں۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے او رپہلے حصے میں زبان فارسی کی اصلیت و ساخت کے بارے میں لکھا گیا ہے او ردوسرے حصے میں کالج کے طلبا کے لیے مرتب کیے گئے ایک درجن سے زائد لیکچر شامل ہیں پہلا لیکچر ۹ فروری۱۸۷۲ءکو ہوا تھا او ریہ سلسلہ کئی برس بعد پایہ تکمیل تک پہنچا اس حصے میں ایران کی قدیم زبان ، مابعد اسلام کی زبان ایران کے تمدن و تہذیب او ررسم و رواج اور ان کا زبان پر اثر ، ملکی انقلابات کا زبان و ادب پر اثر شعر ا

و ادبا کی حیات و تصانیف کا تذکرہ ، ہندوستان میں فارسی زبا ن و ادب سے
متعلق دلچسپ اور آمد مضامین شامل ہیں۔"(۴)

مولانا محمد حسین آزاد نے پہلے لیکچر میں سنسکر ت اور فارسی زبانوں کے لسانی روابط نمایاں کرنے کی شاندار اور کامیاب سعی کی ہے۔ژند ، پہلوی ، دری سنسکرت کے الفاظ کا موازنہ کر کے تاریخی نتائج اخذ کیے او رمشہور مصنفین کی نظم و نثر کے پہلو ؤں کواجاگر کیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ " سخن دان فارس" فارسی کی ایسی تاریخ اب تک ہندوستان میں اس سے قبل نہیں لکھی گئی۔فیلالوجی کا فن زبان کے روشناسوں کے لیے آسان کر دیا۔اس کتاب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ فارسی او رسنسکرت دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔یہ بہت ہی مفید او رمعلوماتی کتاب ہے جس میں جا بجا مولانا محمد حسین آزاد کی رنگینی تحریر کی جھلکیاں دیکھنے کو ملتی ہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد نے زبان کے جینے اور مرنے کے اسباب بتائے ہیں۔اس کے ہست و بود کا دار و مدار کس پر ہے۔وہ کیونکر پنپ سکتی ہیں۔سنسکرت او رفارسی کے لسانی روابط کا نہایت عمدگی او رمحنت سے جائزہ لیا ہے۔انھوں نے سینکڑوں الفاظ کا حوالہ دے کر ثابت کر دیا ہے کہ فارسی اور سنسکرت کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

اگرچہ ڈاکٹر محمد صادق نے اپنی تحقیق سے ثابت کیاہے کہ لسانیاتی اصولوں اورتاریخ ایران سے متعلق آزاد نے انگریزی مصادر سے بھرپور استفادہ کیاہ اوران کاذکر نہیں کیا :

"آزاد پہلا شخص ہے جس نے ان پر توجہ کی ہے۔یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ یہ لسانیاتی اصول انگریزی تصانیف سے ماخوذ ہیں اور آزاد نے فارسی زبان سے ان کی تطبیق کی ہے۔"۔۔۔"آزاد نے بہت سا مواد میلکم کی "تاریخِ ایران " سے لیا ہے اور ایسے پیش کیا ہے گویا وہ ان کا اپنا ذاتی مشاہد ہ ہے۔"
(۵)

محمد صادق کا یہ اعتراض بجاہے، تاہم یہ بات طے ہے کہ درست حقائق پیش کرنے کے لیے مختلف زبانوں کا مطالعہ رکھنے والا شخص ہی کر سکتا ہے۔

ق م میں آریاؤں کی وادی سند ھ میں آمد سے، سندھی زبان او رسنسکرت زبان، جو کہ آریاؤں کی زبان تھی برصغیر کی لسانی تاریخ میں اہمیت کی حامل ہے۔اس خطہ زمین پر بولی جانے والی زبانوں

میں سے اکثر اس کی شاخیں ہیں کیونکہ آریا قوم اس خطے میں ایک ہی گروہ یا قبیلے کی صورت میں یا پھر ایک ہی دفعہ نہیں آئے، بلکہ الگ الگ قبیلوں اور گروہوں کی شکل میں مختلف ادوار میں آتے رہے ہیں۔وادی سندھ کی طرح ان کے چند گروہ روس ' جرمنی ' پولینڈ ' وسطی ایشیا اور ایران وغیرہ کی طرف بھی نکل گئے تھے۔ان تمام ممالک میں پہلے سے بولی جانے والی زبانوں اور آریائی گروہوں کی زبان کے ملاپ سے (وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ) زبانوں کا رنگ و روپ تبدیل ہوتا رہا آریا قوم کا جب یہاں کے رہنے والوں بیں‌میل جول بڑھا، تو ان کی زبان کے بے شمار الفاظ یہاں کی بولی جانے والی زبانوں میں شامل ہوتے چلے گئے۔اُردو زبان نے بھی کافی لفظ یہاں سے حاصل کیے، جن میں سنسکرت زبان ' دراوڑی زبان اور پالی زبان کے الفاظ زیادہ شامل تھے۔سندھی زبان ' دراوڑی زبان اور سنسکرت زبان کے الفاظ آپس میں ملتے جلتے ہیں۔جو غالباً تاریخی ' مذہبی ' سماجی اور سیاسی اثرات کے پیش نظر سب زبانوں نے ایک دوسرے سے حاصل کیے ہوں۔فارسی زبان کو ہم کیسے جدا کر سکتے ہیں۔فارسی ، عربی اور سنسکرت کے الفاظ کا آپس میں نہایت گہرا تعلق ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نے سنسکرت اور فارسی کے تعلق کو نہایت خوش اسلوبی سے نبھایا ہے یہ ثابت کرنے کی سعی کی ہے کہ فارسی اور سنسکرت کا لسانی ربط بہت پرانا اور مضبوط ہے اس کے بغیر فارسی زبان وادب مکمل نہیں ہوتا۔

سنسکرت دراوڑی زبانوں نے ہماری اردو اورفارسی پر بھی کتنا گہرا اثر ڈالا ہزاروں لفظ تھوڑی بہت تلفظ کی ترمیم کے بعد اردواور فارسی میں شامل ہوتے چلے گئے۔بعض ادوار میں اپنی ہئیت بھی تبدیل کرتے رہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری وساری ہے۔شاعری کے پہلے اور دوسرے دور میں ہندی الفاظ رائج تھے۔جو چوتھے دور میں متروک ہوئے اور رفتہ رفتہ زبان فارسی اور عربی آمیز ہوتی گئی۔مولانا محمد حسین آزاد نے فارسی اور سنسکرت کے متحد الاصل لفظوں میں کن اصول کے بموجب تبدیلیاں ہوئی ہیں اس پر ایک مبصرانہ بحث کی ہے۔لکھتے ہیں :

> " جب دو زبانیں ہمارے سامنے پیش ہوں تو ان کی نسل او رخاندانوں کی اصل پہچاننے کے کیا اصول ہیں ، یعنی ہم ان کے رنگ و روپ او رخط و خال کو کس نظر سے دیکھیں جس سے پہچان لیں کہ دونوں کی اصل نسل ایک ہے یا نہیں ہے اور سنسکرت اور فارسی بہنیں ان قیافوں سے ایک گھرانے کی اولاد

معلوم ہوتی ہیں یا نہیں۔ان دونوں کے الفاظ جو مشابہ ہیں ان میں تغیر و
تبدل کن اصول کے بموجب ہوئے ہیں۔"[۶]

مولانا محمد حسین آزاد نے ان دونوں زبانوں یعنی سنسکرت اور فارسی کے لسانی تعلق کو ہی موضوع بحث نہیں بنایا بلکہ انھوں نے ایسے کئی الفاظ بطور مثال پیش کیے ہیں، جن کا تلفظ بھی آپس میں ملتا جلتا ہے۔یہ موازنہ صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جس کو دونوں زبانوں پر دسترس حاصل ہو۔مولانا محمد حسین آزاد کو دونوں زبانوں پر مکمل عبور تھا۔اسی لیے وہ فارسی اور سنسکرت کے ڈھیروں الفاظ کا آپس میں تلفظ کا موازنہ کرتے رہے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ یہ دونوں زبانیں کسی وقت ایک گھرانے اور ایک خاندان میں رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے تلفظ میں بھی کئی الفاظ مشترک ہیں۔ایسے الفاظ کی طویل فہرست دے کر انھوں نے ان دونوں زبانوں کے باہمی تعلق پر مہر تصدیق ثبت کی ہے۔

چند مشترک الفاظ مشت نمونہ از خروارے :

فارسی	سنسکرت	فارسی	سنسکرت
سر	شر	ابرو	ابھرو
دند	دنت	مشت	مشٹک
انگشت	انگشت	پائے	پاؤ
دختر	دہتری	پدر	پتری
پشت	پریشٹ	گلو	گل ، گو گو
دوش	دوشن	زانو	جانو
ناف	نابھی	خون	شونڑ[۷]

مولانا محمد حسین آزاد نے رشتہ داروں ، اعضائے بدن ، اجناس ، گنتی ، جانوروں ، اور دیگر کے ناموں کا موازنہ کر کے ثابت کیا ہے کہ فارسی اور سنسکرت میں کسی زمانہ میں اکٹھی رہی ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کے مشترک الفاظ موجود ہیں۔آریہ گروہوں کا وادی سندھ میں آنا اور کچھ دیگر ممالک کی طرف چلے جانا بھی زبانوں کے مشترک ہونے کا سبب بنا ہے۔ایران ، ہندوستان کی زبانوں کے لاتعداد الفاظ آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں اور ان کی یہی وجہ ہے کہ آریہ گروہ اس تہذیب میں آئے اور یہاں آکر رچ بس گئے۔

مولانا محمد حسین آزاد اردو کے ممتاز انشا پر داز ہیں۔وہ نثر میں بھی اپنی رنگینی بیان کے گل بوٹے کھلاتے ہیں انھوں نے ایران کے ہر موسم کا ایک دلآویز خاکہ بھی کھینچا ہے اور اس کو اپنی خوش بیانی سے سجایا ہے۔

" سخن دان فارس" ایک نہایت اہم اور مدلل مباحث سے بھری کتاب ہے، جس کی مدد سے ایران کی جغرافیائی تاریخ اور اس کے قدیم تعلق کو بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔مولانا آزاد نے نہ صرف لسانی حوالے سے اہل فارس کو دیکھا ہے بلکہ انھوں نے فارس کی قدیم کی تاریخ کو عہد بہ عہد پرکھنے کی کامیاب کوشش بھی کی ہے۔انھوں نے روز آفرینش سے اس کو بیان کر کے کمال کر دیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ اہل فارس کا ذکر صحیح بخاری میں آیا ہے۔اس حوالے سے وہ لکھتے ہیں:

> " صحیح بخاری میں ایک جگہ اہل فارس کا بھی ذکر آگیا ہے۔ابن عمام صاحب فتح الباری نے اس کی شرح میں لکھا ہے کہ یہ شہسوار او ربہادر لوگ تھے۔پھر مجوس ہو کر آتش خانے بنا لیے لیکن ریاست ، سیاست ، حسن مملکت ، تدبیر ، جنگ ، ہر چیز کو بر محل برتنا ، فن انشا ، نفاست ، مزاج ، لذیذ کھانوں او رخوشبوؤں کے ایجاد اورخوش لباسی میں بے مثل اور بے نظیر تھے۔رسوم ملک داری میں اور لوگ ان کی پیروی کیا کرتے تھے۔"(۸)

" سخن دان فارس" میں مولانا محمد حسین آزاد نے کمال محنت اور لگن سے تحقیقی انجام دیا۔انھوں نے اہل فارس پر قابض ہونے والے فاتحین کا بھی بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور لسانی حوالے سے بھی ہر دور کا نہایت مبصرانہ جائزہ بھی لیا گیا ہے۔زبان و ادب اور ثقافت کی تبدیلیوں کا نہایت جزئیات کے ساتھ تذکرہ ملتا ہے۔مولانا آزاد نے فارسی کی قدیم کتابوں ژند ، پاژند اور استا کا بڑی تفصیل کے ساتھ، جائزہ لے کر ان کی زبان اور مروجہ فارسی کے درمیان، موجود فرق کو نہایت عرق ریزی سے واضح کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نے دری ، پہلوی اور فارسی زبانوں ، ان کے ادبیات او رلسانی تبدیلیوں پر کھل کر بحث کی ہے۔انھوں نے مذکورہ زبانوں میں باہمی تعلق اور مماثلت کو بھی واضح کر کے تشنگان علم و ادب کی پیاس بجھائی ہے۔

لیکچر سوم اور چہارم میں " سخن دان فارس" میں فارسی زبان و ادب کے قد آور شاعر رودکی جسے باوا آدم کہا جاتا ہے، کی غزلیں اور قصیدوں پر مولانا آزاد کے تبصرے موجود ہیں۔عسجدی، عنصری او رفرہی

جسے ممتاز شاعروں نے اپنے کلام سے فارسی زبان و ادب کو ثروت مند کیا۔پانچویں لیکچر میں اہل فارس کے اعتقادات اور رسم و رواج کے علاوہ نفسیاتی الجھنوں ، توہمات اور قصہ جات کا جائزہ لیا گیا ہے۔یہ جائزہ فارسی زبان و ادب کے ارتقائی سفر کو سمجھنے کے لیے نہایت اہم کردا ر ادا کرتا ہے۔

چھٹے لیکچر میں مولانا آزاد نے اسلام کی ایران میں آمد کے بعد مقامی لوگوں کی معاشرت اور لسانی تبدیلیوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ساتویں لیکچر میں مولانا محمد حسین آزاد نے کسی خطہ کے موسم اور سرزمین اس کی انشاء پردازی اور زبان پر کیسے اثر انداز ہوتے ہیں انھوں نے عرب ، فارس او رہندوستان کا بالخصوص ذکر کیا ہے اور دیگر ممالک کے موسوم اور جغرافیائی حالات کو بھی زیر بحث لا کر ادبی حوالوں سے اسے دیکھنے کی کوشش کی ہے۔

نواں لیکچر میں مولانا محمد حسین آزاد نے عربی اور فارسی کے ملاپ سے جو تبدیلیاں رونما ہوئیں، ان کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔دسواں لیکچر فارسی پر ہندوستان میں آکر کیا کیا رنگ چڑھے اور کیا کیا اس میں تبدیلیاں ہوئیں۔زبانوں کے ملاپ سے جو تبدیلیا ں پیدا ہوتی ہیں۔وہ ایک نئ تہذیب اور نئ زبان کا پیش خیمہ بنتی ہیں۔فارسی نے یہاں کے زبان و ادب کو اپنے رنگ میں رنگنے کی سعی کی اور وہ اس میں کامیاب بھی ہوئی۔

گیارہواں لیکچر " نظم فارسی کی تاریخ " ، " خاتمہ " ، " قطعہ ، تاریخ انطباع کتاب " اور حواشی پر مشتمل ہے۔اس حصہ میں فارسی شعر و ادب کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔فارسی شعرا کو عہد بہ عہد بحث کی ہے۔اور ان کو چار ادوار میں منقسم کیا ہے۔دور اول میں زودکی، اسدی، طوسی اور فردوسی کاتذکرہ کیاگیا ہے اور ان کے کلام پر بحث موجود ہے دوسرے دور میں خاقانی ، انوری او رنظامی کے کلام پر بحث کی گئی ہے۔ تیسرے دو رمیں سعدی او رحافظ شیرازی کو موضوع بحث بنایاہے۔حافظ فارسی زبان و ادب کا ایک بڑا نام ہے، جنھوںنے فارسی غزل میں اپنا ایک سکہ جمایا ہوا ہے۔ان کے آگے کئی بڑے بڑے فارسی غزل گو محض اٹھ سکے۔چوتھے دور میں جلال اسیر ، قاسم مشہدی او رقاسم دیوانہ کو شامل کیا گیا ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نے اس لیکچر میں ان چاروں ادوار کے شعرا کے کلام پر بڑی عمیق نظری سے مطالعہ کر کے عہد بہ عہد نظم میں ہونے والی لسانی تبدیلیوں کا ذکر کیا ہے۔

اس پر اہل فارس کو مولانا محمد حسین آزاد کا ممنون و سپاس گزار ہونا چاہیے کہ انھوں نے بڑی محبت ، لگن اور محنت سے نظم میں ہونے والی تبدیلیوں کا لسانی حوالے سے جائزہ لیا ہے۔ایسے جائزے لیتے ہوئے نقاد کو مختلف تاریخ دان بھی ہونا چاہیے اور وہ سیاسی ، سماجی او رمعاشرتی حالات پر بھی گہری نگاہ رکھتا ہو۔مولانا آزاد نے تمام عوامل کو نگاہ میں رکھتے ہوئے اہل فارس کی نظم کا تجزیہ کیا ہے۔

مولانا محمدحسین آزاد نے " سخن دانِ فارس " سے بے پناہ شہرت سمیٹ لی تھی اس کے بعد انھوں نے اردو ادب پر جواحسان عظیم کیا اور جس کتاب نے شہرت دوام بخشی وہ " آب حیات " ہے۔"آب حیات " ایک ایسی کتاب ہے جس کا دلکش اسلوب ِ بیان ، شگفتگی ، سلاست ، روانی ، کے ساتھ ساتھ بعض ادبی لطائف کو بھی شاملِ تحریر کر کے تحریر کو دلچسپ اور پر کشش بنایا گیا ہے۔یوں تو مولانا محمد حسین آزاد اور بھی بہت سی کتب تصنیف و تالیف کی ہیں مگر ان سب میں " آب حیات " کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ان کی شہرہ آفاق تصنیف کو اپنے موضوع او راپنے اسلوب ِ تحریر کی وجہ سے اردو ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔اسے تاریخ شعرائے اردو تو نہیں کہہ سکتے تاہم یہ بلاشبہ اردو شعرا کانہایت اہم اور وقیع تذکرہ ہے۔اس سے قبل لکھے گئے تمام تذکروں ، شعر مجموعوں او ربیاضوں پر فوقیت حاصل ہے کیونکہ اس سے پہلے جو تذکرے لکھے گئے تھے وہ قابل اعتنا نہ تھے اور مکمل بھی نہیں تھے۔ان میں بعض شعرا چند سطروں تک محدود تھا اور وہ بھی صرف اور صرف تعریف و تحسین کی صور ت میں اسی روایت کی تقلید میں کسی پر تنقید کا رواج نہ تھا۔شعرا کی شعری خصوصیت اور اہمیت پر ناقدانہ رائے کا اظہار نہیں کیا گیا تھا لہٰذا جب " آب حیات " چھپ کر سامنے آئی تو اس کا کھلے بندوں استقبال کیا گیا۔

" آب حیات " ایک مکمل تذکرہ ہے۔اس میں اردو کے قریباً تمام اہم شاعروں کا ذکر اور ان کا نمونہ کلام دیا گیاہے، جس سے اردو شاعری کے بتدریج ترقی و فروغ کے مراحل سے روشناس ہونے کا موقع ملتا ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ۱۸۸۰ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوئی اور اب تک اس کے لاتعداد ایڈیشن ہندوستان او رپاکستان میں چھپ چکے ہیں۔اردو ادب سے تعلق رکھنے والے شاید ہی کوئی شخص ایسا ہوگا جو مولانا محمد حسین کی" آب حیات "سےآشنانہ ہو۔

" آب حیات " ایک ایسی اہم دستاویز ہے جس کے مطالعے کے بغیر اردو شاعری کا مطالعہ ادھورا سا رہتا ہے یہ ایک ایسی تصنیف ہے جس کی اساس پر بہت سی کتب تصنیف کی گئیں لیکن کسی میں وہ بات پیدا

نہ ہو سکی۔مولانا محمد حسین آزاد کا اسلوب ِ تحریر نے بھی قاری کو بہت متاثر کیا ہے۔ان کی تحریر میں روانی ، شگفتگی ، دلچسپی اور شعریت موجود ہے۔یہ وہ عناصر ہیں جس کی وجہ سے " آب حیات " کو حیات جادواں نصیب ہوئی۔اس سلسلے میں نند کشور وکرم اپنی کتاب " محمد حسین آزاد " میں لکھتے ہیں :

" شعری معلومات کا یہ بیش بہا خزانہ اپنے اسلوب تحریر میں بھی منفرد حیثیت رکھتا ہے جسے بعد کے بہت سے ادیبوں نے نقل کرنے کی کوشش کی مگر وہ اپنی تحریر میں وہ دلچسپی روانی اور شعریت پیدا نہ کر سکے جو آزاد کی تحریر کا خاصہ ہے اس تحریر میں دریا کی موجوں کی سی روانی کے علاوہ ایسی شعریت پائی جاتی ہے جسے پڑھتے وقت قاری اتنا محظوظ او رلطف اندوز ہوتا ہے کہ اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔" (۹)

یہ حقیقت ہے کہ مولانا محمدحسین آزاد ایک ممتاز انشا پرداز تھے۔ان کی نثر میں جو ایسی کشش تھی کہ قاری بوریت کا شکار نہیں ہوتا، بلکہ ایسی روانی ہے کہ قاری اس میں بہتا چلا جاتا ہے۔اس حوالے سے ان کے مقام و مرتبہ کا بھی بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔انھوں نے اپنی نثر میں ایسا اچھوتا او ردل چسپ اسلوب تحریر اپنایا ہے کہ قاری متحیر اور مسرت کے ملے جلے تاثرات لیے وادی حیرت میں کھڑا پاتا ہے۔مولانا آزاد کی تحریر میں جا بجا ان کی انفرادیت اور کمال فن کی جھلک ملتی ہے۔مولانا محمد حسین آزاد نثر کے میدان میں بہت آگے ہیں۔ان کی تقلید کرنے والے کبھی ان کے برابر بھی نہ پہنچ پائے وہ ہمیشہ ان کی نقل کرنے میں ناکام و نامراد ٹھہرے۔

شمس العلما مولانا محمد حسین آزاد عربی ، فارسی کے جید عالم تھے ، سنسکرت او ربھاشا سے بھی خوب واقف تھے، انگریزی شاعری کے رنگ او رانگریزی نثر کے اصول و ضوابط کو بھی سمجھتے تھے۔وہ ایک ماہر لسانیات بھی تھے اس کے ثبوت کے لیے ان کی کتاب" سخن دان فارس" ہی کافی ہے۔تذکرہ اور تاریخ کے ضمن میں دیکھیں تو " آب حیات " ایسی شاہکار کتاب اردو ادب کو دی ہے کہ جس پر اردو ادب ہمیشہ ان کا مقروض احسان رہے گا۔مولانا محمد حسین آزاد نے اردو شعر وا دب کا جائزہ لے کر ہمیں بتایا کہ اس میں کیا کیا خوبیاں اور کیا کیا خامیاں موجود ہیں۔"آب حیات " ایک تذکرہ ہی نہیں بلکہ ایک تنقید ی جائزہ بھی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کی نثری کتابوں کی طرف آئیں تو انھوں نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں، مگر ان میں سے چار ایسی ہیں، جنھوں نے مصنف اور اردو ادب کا مرتبہ بلند کر دیا۔ان چار کتابوں میں " آب حیات

" ، " سخن دان فارس" ، دربار اکبری" اور" نیرنگ خیال " شامل ہیں گویا یہ چار ستون ہیں جن پر مولانا آزاد کی شہرت کی عمارت بلند ہوئی ہے۔"آب حیات " اردو شاعروں کا پہلا تذکرہ ہے، جس میں مصنف نے اردو کی کل شاعری پر نظر کر کے اس کو مختلف ادوار میں منقسم کیا ہے۔انھوںنے ہر دو رکی شاعری کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اس دور کے نامور شعراء کا احوال بھی نہایت عمدگی سے پیش کر دیا ہے۔یہ احوال اتنی مہارت اور جزئیات کے ساتھ لکھے گئے ہیں۔بعض اوقات یوں محسوس ہوتا ہے کہ مختلف شعرا کی چلتی پھرتی تصویریں کتاب میں موجود ہیں۔مختلف ادوار کا ماحول بھی نظروں کے سامنے لے آتے ہیں جس میں اُن شاعروں نے پرورش پائی تھی۔"آب حیات " کی یہی وہ خوبی اور خصوصیت ہے ، جس میں کوئی کتاب اس کے ہم پلہ نہیں ٹھہرتی۔اس ضمن میں انیس ناگی کا تجزیہ بہت موزوںمعلوم ہوتا ہے :

> " آب حیات آزاد کی ایک ایسی تصنیف ہے جس کی بدولت آج بھی آزاد کا نام شوق سے لیا جاتا ہے۔"آب حیات " میں آزاد کی مختلف ذہنی صلاحیتیں اور ادبی مشاغل مجتمع ہوگئے ہیں۔اس میں آزاد لسانی محقق ، ادبی مؤرخ ، مرقعہ نگار ، نقاد او رانشا پرداز کے مختلف لباسوں میں اپنی صلاحیتیوں کا مظاہرہ کرتے ہیں۔۔۔آب حیات " تاریخی اور انفرادی اعتبار سے ایک اہم دستاویز ہے۔"آب حیات " قدیم تذکرہ نگاری اور جدید ادبی تاریخ نویسی کے درمیان ایک سنگھم کی حیثیت رکھتی ہے۔اس میں کچھ خصوصیات تذکرہ نویسی کی ہیں اور کچھ ادبی تاریخ کی۔مجموعی اعتبار سے اسے اردو شاعری کی پہلی " ادبی تاریخ کہا جا سکتا ہے۔"(۱۰)

" آب حیات " تذکروں سے آگے بڑھ کر تاریخ ادب کے دائرے میں آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اس میں کوئی خاص بات ضروری ہے، جو عام تذکروں میں نہیں ملتی۔یہ کتاب تاریخوں کا طرۂ امتیاز ہے۔سب سے اہم او رنمایاں ترین خوبی اس کی ہیئت ہے یہ تاریخ کے طریقہ پر تصنیف کی گئی ہے ، اس میں ادوار قائم کیے گئے ہیں اور ان کے ماتحت شاعروں کا ذکر کیا گیا ہے۔اردو شاع ری کے پانچ ادوار کا ذکر ملتا ہے۔پہلا دور ابتدائی ہے، جس میں ولی اور ان کے معاصرین کا تذکرہ موجود ہے۔دوسرے دور میں شاہ حاتم او رخان آرزو اور اس کے ہم عصر شعرا کے حالات تحریر ہیں۔تیسر ے دور میں میر ، سودا اور ان کے ہم عصر شاعروں کا تذکرہ موجود ہے۔چوتھے دور میں جرأت ، انشاء ، مصحفی ، میر حسن ، نسیم لائے گئے ہیں۔جبکہ پانچواں دور ناسخ

، آتش ، مومن ، ذوق ، غالب ، دبیر اور انیس وغیرہ کے تذکرے پڑھنے کو ملتے ہیں۔مولانا محمد حسین آزاد نے ہر دور کے آغاز میں تمہیدبیان کی ہے۔یہ تمہید بہت ہی اہمیت کی حامل ہے۔اس تمہید سے مختلف ادوار کی سیاسی ، سماجی ، معاشرتی اقدار کے بارے میں بھی آگاہی ملتی ہے اور ساتھ ہی لسانی ارتقا کے حوالے سے بھی کافی بحث ملتی ہے اور اس دور کے شعراء کے ادبی ماحول کو بھی نہایت جامعیت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ قاری پڑھتے ہوئے اس دور میں خود کو محسوس کرنے لگتا ہے۔مولانا محمد حسین آزاد کا بنیادی مقصد صرف اور صرف اردو کی ترویج و ترقی تھا۔مولانا ہر دور کے بارے میں تمہید لکھتے ہوئے، یہ بھی معلومات فراہم کرتے ہیں کہ اس دور میں کون کون سے الفاظ متروک ہوئے اور ان کی جگہ پر کون سے الفاظ مستعمل ہوئے ہیں۔

ادوار کی درجہ بندی کے سلسلے میں گو " آب حیات " ناکام ہے لیکن شعرا کی سوانح بیان کرنے میں اس کی کامیابی قابل قدر ہے۔اس میں شاعروں کی شاعرانہ خصوصیات کا اندازہ لگانے کے لیے کوئی نمونہ کلام اتنا زیادہ نہیں کہ ان پر بحث کی جاسکے۔

سوانح لکھتے وقت جہاں تاریخی واقعات کا ذکر آتا ہے۔وہاں مولانا آزاد سے بہت ساری اغلاط ہوئی ہیں جن کی طرف کئی ناقدین اشارے بھی کیے ہیں او ربعض نے تو یہاں کہہ دیا ہے کہ مولانا کوئی سچے محقق نہیں ہیں، بعض تاریخی باتیں قیاس آرائیوں سے بیان کر دی گئی ہیں۔احسن فاروقی لکھتے ہیں :

> " ان سوانح میں جہاں تک تاریخی واقعات کا تعلق ہے آزاد سے بڑی بڑی فاش غلطیاں ہوئی ہیں جن کی طرف بہت لوگوں نے توجہ دلائی ہے ، بہت سے سوانح نامکمل ہیں ، بہت سی باتیں جدید تحقیق سے غلط ثابت ہوگئیں ، زیادہ ترلوگوں کی رائے ہے کہ وہ سچے محقق نہ تھا ، قیاس سے بہت سی باتیں لکھ گئے ہیں اکثر باتیں گول کر گئے ہیں۔"(١١)

مولانا آزاد اپنے بیانات کی تائید کے لیے کسی مستند حوالے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے، چنانچہ آزاد کی یہ مطلق العنانی ان کے غیر محققانہ طریق کار کی ذمہ دار ہے۔ان محققانہ کمزوریوں کے باوجود آزاد نے اردو میں لسانی تحقیق کی رسم کا آغاز کیا اور ادبی تاریخ کی ہیئت کو زیادہ باقاعدہ بنانے کی کوشش کی ہے۔ جدید لسانی تحقیق نے آزاد کے اس لسانی نظریے کی تردید کی ہے کہ برج بھاشا زبان اردو کی ماخذ ہے۔آزاد نے مختلف شعرا کے بارے میں جو قیاس آرائیاں کی ہیں ان کی بھی خاطر خواہ تردید کی جا چکی ہے۔

" آب حیات " نے واقعی قدیم شعرا کو آب حیات فراہم کر دی ہے۔محمد حسین آزاد نے کمال ہنر مندی سے تمام عہد کے شعرا نہایت اختصار کے ساتھ کتاب کا حصہ بنایاہے۔عین ممکن تھا کہ اگر وہ متعدد شعرا کو اپنی کتاب کا حصہ نہ بناتے۔وہ شاعر صحیح معنوں میں متعارف نہ ہو پاتے۔سید مسعود حسن رضوی رقم طرازہیں:

" اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اردو کے قدیم شعراء کے متعلق ہم کو جو واقفیت ہے او ران سے ہم کو جو دلی تعلق ہے ، وہ " آب حیات " ہی کے طفیل میں ہے۔اگر یہ کتاب نہ ہوتی تو نہ میر سے ہم کو یہ عقیدت ہوتی نہ سودا کی ہماری نظر یہ وقعت ہوتی۔میر اور سودا کے دیوان تو خیر چھپے ہوئے موجود ہیں ، اس لیے ممکن تھا کہ کبھی کوئی صحیح المذاق اپنے ذاتی مطالعے کی بنا پر ان کمالوں کے مرتبہ شاعری کا کسی قدر انداز ہ کر لیتا مگر حاتم ، مظہر ، قائم ، جرأت ، رنگین ، ضاحک اور اسی طرح کے بہت سے شاعروں کا تو شاید کوئی نام بھی نہ لیتا۔"(۱۲)

" آب حیات " کو اردو ادب میں بہت زیادہ مقبولیت حاصل ہے، بعض لوگ تو اس کو اردو تنقید نگاری کی سب سے اہم کتاب سمجھتے ہیں اس مقبولیت کی کئی خوبیاں بھی سامنے آئی ہیں ان میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے صاحبِ ذوق اور ناقدین صر ف اور صرف "کلام " پر توجہ دیتے تھے۔مولانا محمد حسین آزاد نے اس روش کے برعکس ان تخلیق کاروں کو بھی سامنے لے کر آئے یوں کسی بھی فن پارے کا تجزیہ کرتے ہوئے مصنف کی نفسیات کے بارے میں بھی آگاہی فراہم کر دی۔جب کسی مصنف کے حالات زندگی اور ماحول سامنے ہوگا تو پھر بہتر انداز میں کسی بھی فن پارے پر بحث کی جا سکتی ہے۔یہ کام مولانا محمد حسین آزاد نے کر کے اردو شاعری کو دوام بخشا۔

" آب حیات "نے تذکرہ نویسی کی ایک نئی طرح ڈال دی تو ا س کی مقبولیت اور شہرت کو دیکھ کر کئی دیگر مصنفین نے بھی تذکرہ نویسی کی طرف توجہ دی جن میں خاص طور پر صغیر بلگرامی کا نام سامنے آتا ہے ان کی تصنیف " جلوہ ٔخضر " اور اسی طرح عبدالحیٔ کا تذکرہ" گل رعنا" کا مطالعہ کریں تو دونوں پر " آب حیات " کا واضح اثر دکھائی دیتا ہے۔ان دونوں ناقدین نے مولانا محمد حسین آزاد کی " آب حیات " کو بطور نمونہ سامنے رکھ کر اپنے تذکرے تحریر کیے ہیں۔اسی طرح عبدالرؤف عشرت کا تذکرہ " آب بقا " بھی

" آب حیات" کے زیر اثر ہے۔عشرت کے تذکرہ کا نام پڑھ کر ہی ذہن " آب حیات " کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔وہ کتاب کے نام کے تعین میں بھی آب حیات سے متاثر نظر آتے ہیں۔یہ تینوں تذکرے ایسے ہیں کہ جن پر " آب حیات " کے واضح اثرات دیکھے جا سکتے ہیں۔

اردو زبان کی تاریخ میں" آب حیات " نے ہمیں لسانی تحقیق کی راہ دکھائی۔اگرچہ " آب حیات " کے بعد کئی کتابوں میں اس مضمون سے بحت سامنے آتی ہے مگر آب حیات کا طرز بحث اب بھی بعض حیثیتوں سے بے نظیر اور لاجواب ہے۔"آب حیات "ایک طرف اردو شاعری کے ارتقاء کی تاریخ پیش کرتی ہے، تو دوسری طرف ہمارے معاشرے بالخصوص اس کے علمی و ادبی پہلو کا ایسا مکمل نقشہ دکھاتی ہے ، جس کی نظیر کوئی دوسری تصنیف پیش نہیں کر سکتی۔مولانا محمد حسین آزاد جس وقت اردو زبان او رشاعری کے مختلف ارتقائی دوروں پر نگاہ ڈال رہے تھے او رہر دور کے نامور شعرا کے حالات تحریر کر رہے تھے، اس وقت جو سماں ان کے پیش نظر تھا، اس کا بیان بھی کمال ہنر مندی سے پیش کرتے رہے۔ا س ماحول اور زمانے کو اس مہارت اور جزئیات کے ساتھ پیش کیا ہے کہ پڑھنے والوں کووہی زمانہ اور وہی ماحول دکھائی دینے لگتا ہے۔مولانا آزاد نے اس سماں کی تصویر لفظوں میں اس طرح کھینچ دی ہے زمانہ قدیم کی تصویری جھلکیاں لفظوں کی صورت دکھائی دینے لگتی ہیں۔یہ سب ان کے منفرد اسلوب بیان کا کمال ہے۔وہ کسی بھی دور کے بارے میں لکھتے ہوئے اس زمانے کی جزئیات نگاری کو کمال ہنرمندی سے پیش کرتے ہیں۔اس ضمن میں نند کشور وکرم ایک جگہ لکھتے ہیں :

> " ہم جس عہد کا حال پڑھتے ہیں ، اس عہد میں پہنچ جاے ہیں اس کے مشاعروں اور دوسری ادبی صحبتوں میں شرکت کرتے ہیں۔اس عہد کے ممتاز شاعروں کو چلتے پھرتے ، ہنستے بولتے دیکھتے ہیں ان کی زبان سمجھتے ہیں۔ان سے باتیں کرتے ہیں ، ان کا مزاج پہچان لیتے ہیں ان کی خوشی او رغم میں شریک ہو جاتے ہیں۔تصویر کشی او رانشا پردازی کا یہ کمال اردو کے کسی او رمصنف کوبھی نصیب ہوا ؟ مرزا فرحت اللہ بیگ کے دو تین مضمون یعنی ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی مولوی وحید الدین سلیم پانی پتی،۱۲۶۱ھ کا ایک مشاعرہ ، اسی طرز کے ہیں کچھ عجیب نہیں کہ مرزا صاحب نے یہ طرز آب حیات ہی سے سیکھا ہو۔"(۱۳)

" آب حیات " نے ایک بنیاد فراہم کردی ہے، جس پر آگے چل کر ناقدین نے اردو ادب کی تاریخیں لکھیں مگر وہ تمام مصنفین بھی مولانا آزاد کے اثر سے باہر نہ جا سکے کسی نہ کسی حوالے سے " آب حیات " کا تذکرہ کیے بغیر بات آگے نہ بڑھا سکے۔

عام طور پر نکتہ چینی اور تنقید کو ایک ہی زمرے میں رکھ لیا جاتا ہے، جس سے تنقید مجروح ہو جاتی ہے۔نکتہ چینی اور چیز ہے اور تنقید ایک الگ چیز ہے۔مولانا محمد حسین آزاد کے بار ے میں مختلف ناقدین کی رائے یہ ہے کہ وہ نکتہ چیں تھے تنقید نگار نہیں تھے۔مولانا محمد حسین آزاد نے " آب حیات " میں تذکرہ نویسی میں جانب داری کے مظاہرے بھی کیے ہیں۔اپنے استاد گرامی ابراہیم ذوق کے بارے میں تعریف و توصیف میں ساٹھ صفحات بھر دیے، جبکہ جدت پسند شاعر مرزا اسد اللہ خان غالب کو اہمیت نہ دی۔بقول نند کشور ورکرم :

> "آزاد نے نہ صرف غیر جانب‌داری سے کام نہیں لیا بلکہ بعض جگہ بہت زیادہ جانبداری کا مظاہرہ کیا ہے۔مثلاً اپنے استاد شیخ محمد ابراہیم ذوق کے تذکرے میں وہ جوش عقیدت و احترام میں ان کی تعریف و توصیف میں بڑی مبالغہ آمیزی سے کام لیتے ہوئے یہاں تک کہہ جاتے ہیں کہ نواب الٰہی بخش خاں معروف اور بہادر شاہ ظفر کاکلام ذوق کا لکھا ہوا ہے۔وہ اپنے استاد کو کورانہ عقیدت کی وجہ سے ان کے حالات و کوائف پر ساٹھ صفحات صرف کر دیتے ہیں او رمرزا غالب ایسے عالی مرتبت شاعر کو اپنے استاد کے مقابلے میں کمتر دکھانے کے لیے ان کی شاعری میں عیوب و نقائص نکالنے کے ساتھ ساتھ درپردہ ان پر چوٹیں بھی کرتے جاتے ہیں۔"(۱۴)

اسی طرح میر انیس اور دبیر کے تذکروں میں بھی انھوں نے پسند اور ناپسند والا رویہ اپنایاہے انھوں نے دبیر کو نیچا دکھانے کے لیے اس پر ہر طرح سے حملے کیے ہیں۔ا س ضمن میں نند کشور وکرم رقم طراز ہیں :

> " انیس و دبیر کے تذکرے میں بھی جانبداری کے زیر اثر وہ دبیر کے خاندان کو کمتر دکھانے کی کوشش کرتے ہیں نیز انشاء اللہ خاں انشاء کی زندگی کے آخری دنوں سے متعلق بیان کی گئی کہانی بھی افسانہ معلوم ہوتی ہے جس

میں صداقت نظر نہیں آتی۔اسی طرح مصحفی او رانشاکے معرکے میں وہ برملا
انشا کے طرف دار بن جاتے ہیں تاہم ان خامیوں کے باوجود یہ ایک ایسا
شاہکار ہے جس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔"(۱۵)

"آب حیات "نے اردو ادب میں ایک تہلکہ مچا دیا۔بہر حال کوئی بھی تصنیف اور تاریخ حتمی نہیں ہو سکتی۔اس لیے اس کتاب میں بھی کئی طرح کی خامیوں کی طرف ناقدین نے اشارہ کیا ہے۔مذکورہ بالا اقتباسات اس کی واضح دلیل ہیں۔جب کوئی بڑا تجربہ کیا جا رہا ہو۔اس میں ایسی چھوٹی موٹی خامیوں کو صرف نظر کرنا چاہیے۔"آب حیات " نے قدیم شعرا کو ایک نئی زندگی عطا کی ہے۔یہ اس کا سب سے بڑا کریڈٹ ہے۔اگر " آب حیات " میں ان شعرا کو نظر انداز کر دیا جاتا تو شاید آج وہ اردو ادب میں کہیں بھی نظر نہ آتے۔ان شعرا کو آب حیات کا ممنون ہونا چاہیے۔مولانا محمد حسین آزاد نے " آب حیات " کو اس وقت مکمل کیا، جب اس طرح کی کوئی جامع کتاب سامنے نہیں آئی تھی اس کو اس حوالے سے بھی اولیت کا تاج حاصل ہے۔

اس کے سیکڑوں ایڈیشن ہندوستان او رپاکستان میں منظر عام پر آچکے ہیں، جن میں کئی طرح کی وضاحتیں بھی درج کی گئی ہیں۔بعض ایڈیشنوں میں " آب حیات " مع حواشی ، تعلیقات و اختلاف نسخ " کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔مختلف جامعات نے بھی " آب حیات " کو شائع کر کے اس کی اہمیت و افادیت پر مہر ثبت کی ہے۔مولانا محمد حسین آزاد کا یہ شاہکار انھیں زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کے مضامین کا مجموعہ " مقالات " کے نام سے مجلس ترقی ادب لاہور نے ۱۹۶۶ء میں شائع کیا۔مولانا محمدحسین آزاد کے مضامین اور خطوط کا اگر بہ نظر غائر مطالعہ کریں، تو ایک با ت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ مولانا محمد حسین آزاد بڑی باریک بینی سے نکتہ آفرینی کرتے اور تنقیدی بصیرت کو استعمال کرتے ہوئے مختلف فن پاروں اور دیگر تحریروں پر تنقید کرتے۔ان کی تنقید ی بصیرت ان کی دیگر کتابوں میں بھی موجود ہے۔"سخن دان فارس" میں وہ ایک ماہر لسانیات کے روپ سامنے آتے ہیں۔زبان فارسی اور زبان اردو کے بارے میں نہایت مدلل گفتگو کرتے ہیں۔اسی طرح ان کی کتاب " آب حیات " اگرچہ تذکرہ نویسی پر مشتمل ہے۔لیکن انھوں نے اس کتاب میں بھی تنقیدی کمالات دکھائے ہیں۔کسی شعری فن پارے پر بحث کرتے ہوئے وہ فنی محاسن کا سہارا لے کر تنقید کرتے ہیں۔مولانا کے قلم کے سحر ہے کہ گزرے واقعات کسی متحرک فلم کی طرح پردہ

سکرین پر نظر آنے لگتے ہیں۔ کہیں کہیں آزاد نے جانب داری کا مظاہرہ بھی کیا ہے، جو تنقید کے لیے درست نہیں۔ ان کے مضامین و مقالات میں بھی یہ عیب سامنے آتا ہے۔

ان کے مقالات و مضامین کی طرف نگاہ کی جائے، تو وہاں بھی انھوں نے تنقیدی بصیرت کا بھرپور انداز میں استعمال کیا ہے۔ وہ ایک مضمون "گفتگو ورباب زبان عربی قدیم وجدید " پر بحث کرتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں :

> " سب سے پہلے خلیل ابن احمد فراہندی نے "کتاب العین " ایک کتاب لغتِ عرب میں لکھی مگر ترتیب اس کی ایسی پیچیدہ ہے کہ ناواقف کا کار برآری اس سے ممکن نہیں۔ اہل اندلس نے اس زبان میں بڑی مہارت پیدا کی او رلغت میں بھی کتابیں لکھیں غرض کہ جس قدر لغات و الفاظ بڑھتے گئے کتابیں بھی مبسوط ہوتی گئیں آخر تصنیف کامل لغت میں مجدالدین فیروز آباد ی کی قاموس ہے کہ اس سے جامع اور مبسوط زیادہ کئی کتا ب نہیں۔"(۱۶)

مذکورہ بالا اقتباس میں مولانا محمد حسین آزاد زبان ِ عربی کی فصاحت و بلاغت کے حوالے سے رطب اللسان ہیں۔ عربی کی لغت کے بارے میں خلیل ابن احمد فراہندی کی " کتاب العین " اور پھر مجد الدین فیروز آبادی کی " قاموس " کی تعریف کرتے ہوئے اسے جامع اور مبسوط لغت قرار دیتے ہیں۔

مولانا محمد حسین آزاد چونکہ ایک ماہر لسانیات بھی تھے۔ اس لیے جب بھی لسانیات کے حوالے بات کرتے تو بڑے ٹھوس شواہد اور مدلل بحث کرتے۔ ان کی بحث عقل کے کئی در کھولنے لگتی۔ ان کا ایک مضمون " زبان اردو " میں وہ زبان کے ارتقاء اور اس کے آغاز کے بارے میں بحث کرتے ہوئے ایک جگہ تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> " یہی سبب ہے کہ ہماری شاعری میں فقط خیالی او ررو ہمی مضامین ہیں او رکتابیں ہماری تاریخ کی جو نظم و نثر میں ہیں اس اعتبار سے ساقط ہیں یہاں تک کہ سنسکرت کی کل کتابیں استعارات و کنایات میں تصنیف ہیں۔ ایک راست مطلب کو صاف صاف ادا کرنا ہمارے شعرا کو نہایت مشکل ہو جاتا ہے اگر غور کریں تو یہ امر فصاحت میں سخت بٹا لگا تا ہے۔"(۱۷)

مولانا محمد حسین آزاد خود بھی بڑے باکمال شاعر تھے۔اس لیے جب وہ کلام موزوں پر بات کرتے ہیں تو پوری توجہ اور یکسوئی سے کرتے ہیں۔موزوں کلام کی تعریف میں بہت آگے تک چلے جاتے ہیں۔شعر کی تعریف کرتے ہیں تو تعریفوں کے پل باندھ دیتے ہیں۔ان کا خیال ہے کہ کلام موزوں کے ساتھ ساتھ اثر پذیری بھی ہونا چاہیے۔یہ نہیں کہ کلام موزوں تو ہو لیکن دلوں پر اثر نہ کرے۔پھر ایسے کلام کی مثال اس کھانے سے دی ہے، جس کا کوئی مزہ نہ ہو نہ کھٹا ہو نہ میٹھا۔

مضمون " دربابِ نظم اور کلامِ موزوں " میں لکھتے ہیں :

"فلاسفہ یونان کا قول ہے کہ دنیا میں دو چیزیں نہایت عجیب اور حیرت انگیزی ہیں اول نبض انسانی کہ بے گویائی حال باطن بیان کرتی ہے۔دوم شعر کہ انھیں الفاظ کے پس و پیش سے کلام میں موزونیت اور اوس سے ایک تاثیر عجیب دل پر پیدا ہوتی ہے۔کتابوں میں اکثر شعر کے معنی کلام موزوں و مقفیٰ لکھے ہیں لیکن درحقیقت چاہیے کہ وہ کلام موثر بھی ہو ، ایسا کہ مضمون او س کا سننے ولے کے دل پر اثر کرے۔اگر کوئی کلام منظوم تو ہو لیکن اثر سے خالی ہو تو وہ ایک ایسا کھانا ہے کہ جس میں کوئی مزہ نہیں۔نہ کھٹا نہ میٹھا۔"(۱۸)

تنقید کے حوالے سے مولانا محمد حسین آزاد ایک بڑے نقاد کے طور پر سامنے آتے ہیں، تاہم افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ناقدین نے صرف اسے ایک تذکرہ نویس کے طور پر ہی لیا ہے ورنہ اس کے خیالات و تصورات پر مربوط و مبسوط کام کرنے کی ضرورت ہے۔مولانا محمد حسین آزاد کے"فارسی اور اردو کی انشاء " کے عنوان سے لکھے گئے مضمون سے ایک اقتباس ملاحظہ کریں جس سے ان کی تنقیدی بصیرت سب سے عیاں ہو جاتی ہے :

"سب جانتے ہیں کہ وہ فصاحت کلام جس کی ہم او رسب خاص و عام تمنا کرتے ہیں مراد اوس سے بیان کی صفائی ہے اور فائدء اوس کا یہ ہے کہ جو کچھ مطالب ہو اوسے اس طرح بیان کریں کہ من و عن سننے والے کی سمجھ میں آجائے ، نہیں بلکہ اوس کے سننے سے جو کہ دلی مطلب کہنے والا کا ہے ، وہ ہی حالت سننے والے کے دل پر طاری ہو جائے اور یہ بات فقط زبانی ہی جمع خرچ کی نہیں ہے۔"(۱۹)

مولانا محمد حسین آزاد کا ایک مضمون " غم نامہ ء غالب " کو پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ غالب کی مختلف تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کرتے ہوئے کسی تعصب کا شکار ہو جاتے ہیں۔یہی حال انھوں نے "آب حیات " میں مرزا غالب کے ساتھ کیا تھا۔اس مضمون میں بھی ایسی ہی صورت پید اکر دی ہے۔ایک نقاد کے لیے ایسی باتیں درست نہیں ہوتیں۔نقاد کو غیر جانب داری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔اس میں اپنی پسند اور ناپسند کو چھوڑ کر وسیع الظرف کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔غالب کو ہمیشہ انھوں نے ذوق سے کم تر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔"غم نامہ ٔغالب " میں ان کی تصانیف کا تعارف کرواتے وقت بھی مولانا آزاد کا انداز دیکھیے :

> " پنج آہنگ۔اس کتاب میں کچھ اپنے خطوط ، کچھ دیباچے او رخاتمے کتابوں کے نثر کے طور پر ، کچھ اصطلاحی محاورے کچھ قواعد فاسی ، کچھ الفاظ مصدر ہیں۔ ۔۔اکمل المطابع کے اہل اہتمام نے کل اردو کے رقعے جمع کر کے اس کا نام " اردو ئے معلی " رکھا ہے یہ کتاب ابھی مشتہر نہیں ہوئی۔"[۲۰]

مشہور زمانہ اردو لغت " فرہنگ آصفیہ " کو اردو کی جامع او رمستند لغت ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس پر بحث کرتے ہوئے اپنے ایک مضمون " فرہنگ آصفیہ " میں لکھتے ہیں :

> " اس کتاب کی جامعیت کا ستون ِاعتبار یہ امر ہے کہ مولوی سید احمد صاحب خود جامع الارصاف ہیں او ردہلی کے رہنے والے جو کہ اردوئے معلی کے لیے ٹکسال ہے۔یہی سبب ہے کہ ڈاکٹر فالن صاحب نے جو ڈکشنری لکھنے کا ارادہ کیا تو انہیں اپنی تصنیف میں اول سے آخر تک شامل رکھا۔فصحائے اردو کی قدیم او رجدید تصنیفیں ان کی نظر غور سے گزری ہیں او رتحقیق زبان کے دشتوں میں پورب ، پچھم ، اتر ، دکھن شہر شہر کے سفر کیے ہیں بندہ ٔآزاد کا یہ دعویٰ نہیں کہ آئندہ اس سے بہتر او رکتاب نہ ہوگی۔"[۲۱]

مولانا محمد حسین آزاد مضامین کے علاوہ اپنے خطوط میں بھی مختلف محکموں کو خوب آڑے ہاتھوں لیتے ہیں۔ان کے خطوط میں تنقید نہایت عمدہ اور طنز کا نشتر لیے ہوئے ہے۔وہ بڑے دھیمے اور شگفتہ اندا ز میں تنقید کرتے ہیں۔

1865ء کو متہم پنجابی اخبار کے نام خط میں وہ برہموں دھرم میں تازہ وارد ہونے والے شخص کی تقریر سن کر تنقیدی رائے لکھتے ہیں۔

" انھوں نے پہلے تو نیچے کے سُر سے کچھ کہنا شروع کیا کہ سب کے کان ادھر ہی لگ گئے کہ خدا جانے کیا اسرار کہتے ہیں ،پیچھے سر جھکا ، اور سلسلہ چلا اس میں شک نہیں کہ لکھنے والے نے عبارت بری نہیں لکھی دی تھی ، پر بابو صاحب اچھی طرح یاد کر کے نہ آئے تھے۔ جا بجا الجھتے تھے اور ٹھوکریں کھاتے تھے۔"(۲۲)

اس خط میں مولانا نے برہمو دھرم میں داخل ہونے والے ایک شخص کی تقریر سن کراس کی حرکات و سکنات کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

اسی طرح ایک اور خط جو انھوں نے میجر سید حسن بلگرامی کے نام لکھا اس میں پنجاب یونیورسٹی کو بھی تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے اسے علم کی چڑیل قرار دیا ہے۔مولانا آزاد کا کہنا ہے کہ اس چڑیل نے پہلے کالج کا کلیجا کھایا اور اب یونیورسٹی چند مہینوں میں کسی اور کو بھی نگل جائے گی۔وہ اپنے خط میں ایک جگہ لکھتے ہیں :

"تسلیم۔آپ دیکھتے ہیں کہ یہ علم کی چڑیل (پنجاب یونیورسٹی) تعلیم پنجاب کو ہضم کیے جاتی ہے۔کالج کا بھی کلیجا کھاچکی ہے ، چند مہینے میں سن لیجئے گا کہ نگل گئی۔ باوجود اس کے کورس بنانے کے لیے ہم پکڑے جاتے ہیں۔فرسٹ آرٹ اور بی۔اے کورس عربی و فارسی کے باب میں رائے طلب ہوئی ، اب بنانے کے لیے حکم ہے کہ جلد ی دو قاآنی کا دیوان آپ کے پیش نظر ہے ، عنایت فرما کر اس میں چند عمدہ قصیدے بتایئے۔ ہر قصیدے کا مطلع یا پہلا مصرع لکھ دینا کافی ہوگا۔صفحہ شاید مطابق نہ ہوگا ، کیوں کہ کتب خانے میں چھاپہ ٔایران کا نسخہ ہے۔" (۲۳)

" مولانا محمد حسین آزاد کے اکثر خطوط میں سررشتہ تعلیم کے بارے میں گفت گو ئیں شامل ہیں۔ کہیں وہ تعلیمی نظام کے اوپر تنقید کر رہے ہیں تو کہیں پنجاب یونیورسٹی کو نشانہ تضحیک بناتے نظر آتے ہیں۔ کہیں کہیں انھوں نے علمی

و ادبی باتیں بھی کی ہیں۔ان میں ایک ایسی ہی گفتگو ملاحظہ ہو۔یہ خط انھوں نے لالہ دنی چند کے نام۲۷ فروری۱۸۸۶ءکو لکھا تھا۔"میرامدادعلی صاحب کی غزلوں میں مولویوں کے انتخاب کی کچھ ضرورت نہیں۔ایک تو سر دیوان کی غزل او رچند غزلیں اس کے بعد کی لو کہ وہ میری دوبارہ بھی دیکھی ہوئی ہیں ، باقی اور غزلیں ایک نظر کی اصلاح دی ہوئی ہیں۔"(۲۴)

میر امداد علی کے دیوان کا مسودہ مولانا آزاد کی خدمت میں اصلاح کی غرض سے بھیجا گیا۔اس مسودہ پر جا بہ جا مولانا آزاد نے کچھ اصلاحیں بھی دی ہیں۔اسی حوالے سے انھوں نے اس کا ذکر لالہ دنی چند کے لکھے گئے ایک خط میں کیا ہے۔

مولانا محمد حسین آزاد کلکتہ سے چھپنے والے ایک رسالے" نور بصیرت " کے حوالے سے اپنے ایک خط میں رسالے کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان ہوتے ہیں۔

" ایسے رسالوں کے مضامین چاہیے کہ اگر علمی و خواہ تہذیبی خواہ انتظامی ہوں ، مگردل چسپ ہوں۔دیکھنے والے کی طبیعت پر غور کا بوجھ نہ ڈالیں۔ایسا ہے کہ میں بہت سوچتا ہوں او رمدت سے سوچتا ہوں۔یہ آج تک نہیں کھلا کہ کس قسم کے مطالب لکھے جائیں او رکس طرح لکھے جائیں ، جنھیں لوگ شوق سے دیکھیں اور ان کا اثر بھی ان پر کچھ فائدہ پہنچائے۔کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی۔یہ خوش نصیب رسالہ جو اس قدر (دور) پہنچا ، بہت پہنچا اور اس کا سبب یہ ہے کہ جو باتیں‌ایک رسالہ جاری کرنے کے لیے درکار ہیں وہ اتفاقاً اسے حاصل ہو گئیں۔" (۲۵)

مولانا محمد حسین آزاد نے رسالہ " نورِ بصیرت " کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔رسالہ میں جن امور کا ہونا چاہیے وہ سب اس میں موجود ہیں۔اسی خط کے آخر میں وہ ضروری ہدایات دیتے ہوئے اپنی تنقیدی بصیرت کو بھی بروئے کار لاتے ہوئے لکھتے ہیں :

" (ا) کاتب ایسا فہمیدہ ہو کہ اشارات و علامات خود مرتب کر سکے۔

(۲) فقروں کے خلاصوں کی سرخیاں صفحات کے دائیں بائیں ٹھیک لکھی جائیں۔

(۳) مضمون کا عنوان صفحات کی پیشانی پر ہونا چاہیے۔

(۴) انگریزی الفاظ وغیر معروف مقطعات بااعراب صحیح و درست ہوں۔

( ) انگریز ی الفاظ کو عبارت کے ساتھ ٹائپ میں چھپوانا ہوگا ، قلمی میں خراب ہو جاتا ہے۔

(۶) ناموں اور غیر معروف لفظوں کو بہت صحت سے لکھوانا چاہیے۔

(۷) کی ، کے وغیرہ ، تھے ، چھے وغیرہ کو بھی زمانہ ٔحال کے رسم الخط کے موافق لکھوانا چاہیے۔"[۲۶]

مذکورہ بالا اقتبا س میں انھوں نے اپنی تنقیدی بصیرت کا استعمال کرتے ہوئے رسالے کے مدیران کو جو ہدایات ارسال کی ہیں۔وہ نہایت اہم او رضروری اہمیت کی حامل ہیں۔ایک اچھے رسالے میں کاتب کا نہایت اہم کردار ہوتا ہے۔وہ رسالے کی خوبصورت اور نفاست کو بڑھانے میں اہم کردارادا کر سکتا ہے۔رسالہ "نور بصیرت "کلکتہ نمبر محلہ اٹالی مقام ملا پاڑہ سے یہ ماہنامہ رسالہ صفحات پر جون ء کو جاری ہوا۔مالک ظفر یاب خاں او رمتہم اسفند یار خاں ، مدیر غلام حضرت تھے۔اس مذکورہ خط میں مولانا محمد حسین آزاد نے رسائل کی ناکامی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالی ہے اور پھر رسالہ جاری رکھنے والوں کو ایک ہدایت نامہ بھی جاری کیا ہے، جو کہ مولانا آزاد کے تجربات و مشاہدات کا نچوڑ ہے۔

> "تنقید او رتحقیق کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔تنقید تحقیق کے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی اور تحقیق تنقید کے بنا ادھوری رہتی ہے۔مولانا کا کمال یہ ہے کہ وہ ان دونوں کے شہ سوار تھے اور انھوں نے ہر دو اصناف میں نام پیدا کیا ہے۔آبِ حیات کے دوسرے ایڈیشن سے متعلق میجر سید حسن بلگرامی کو خط میں لکھتے ہیں :" کتاب مذکورہ میں اگرچہ جا بہ جا بہت مطالب زیادہ کیے ہیں مگر میر انیس مرحوم کے خاندان کے حال او رمرزا دبیر مرحوم کا حال آپ سے داد طلب ہے۔اب کی دفعہ فہرست بھی بہ نسبت طبع اول کے مفصل تر لکھی ہے اسے ملاحظہ فرما لیجئے گا۔"[۲۷]

مختصر یہ کہ مضامین و مکاتیب کے مباحث میں بھی آ زاد نے قابل قدر لسانی اور تنقیدی سرمایہ چھوڑا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ محمد صادق، ڈاکٹر، '' محمد حسین آزاد '' (چھٹا باب) مشمولہ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (لاہور : پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء) ص ۱۲۳

۲۔ نعیم احسن، ''ابتدائیہ'' ، مشمولہ، سخن دان فارس از مولانا محمد حسین آزاد (لاہور : بک ٹاک، ۲۰۱۴ء) ص ۹

۳۔ جہاں بانو بیگم نقوی، محمد حسین آزاد (حیدر آباد دکن : ادارہ ادبیات اردو رفعت منزل، ۱۹۴۰ء) ص ۱۱۷

۴۔ نند کشور وکرم، محمد حسین آزاد (نئی دہلی : ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۲ء) ص ۴۰۔۴۱

۵۔ محمد صادق، ڈاکٹر، '' محمد حسین آزاد '' (چھٹا باب) مشمولہ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (لاہور : پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء) ص ۱۲۳

۶۔ محمد حسین آزاد، مولانا، سخن دان فارس (لاہور : بک ٹاک، ۲۰۱۴ء) ص ۴۷

۷۔ ایضاً، ص ۴۸۔۴۹

۸۔ ایضاً، ص ۱۲۲

۹۔ نند کشور وکرم، محمد حسین آزاد، ص ۳۷

۱۰۔ انیس ناگی، '' آب حیات '' شہرتِ عام اور بقائے دوام '' مشمولہ آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ (مرتبہ سید سجاد) (لاہور : نئی مطبوعات، سن ندارد)، ص ۸۱۔۸۲

۱۱۔ احسن فاروقی، '' تذکرہ نگاری اور محمد حسین آزاد کی آب حیات '' مشمولہ آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ (مرتبہ سید سجاد) (لاہور : نئی مطبوعات، سن ندارد)، ص ۵۸

۱۲۔ سید مسعود حسن رضوی، '' آب حیات کا تنقیدی مطالعہ '' مشمولہ آب حیات کا تنقیدی اور تحقیقی مطالعہ (لاہور : نئی مطبوعات، سن ندارد) ص ۱۳۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۲

۱۴۔ نند کشور وکرم، محمد حسین آزاد، ص ۳۷

۱۵۔ نند کشور وکرم، محمد حسین آزاد، ص ۳۸

۱۶۔ محمد حسین آزاد، مولانا، مقالات (لاہور : مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء) ص ۱۳۳

۱۷۔ ایضاً، ص ۱۶۷

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۹۵

۱۹۔ ایضاً، ص۳۰۱

۲۰۔ ایضاً، ص۳۸۶۔۳۸۷

۲۱۔ ایضاً، ص۳۰۱

۲۲۔ محمد حسین آزاد، مولانا، مکاتیب آزاد (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ ء) ص۳۶

۲۳۔ ایضاً، ص۱۷۹۔۱۸۰

۲۴۔ ایضاً، ص۱۰۹

۲۵۔ ایضاً، ص۲۳۵

۲۶۔ ایضاً، ص۲۳۶

۲۷۔ ایضاً، ص۱۹۵